مولانا محمد عبد المنتقم

کیا بینک سے ملنے والا منافع ربوا نہیں ہے؟

روزنامہ جنگ مورخہ ۱۹ اور ۲۰ مارچ کی اشاعت میں "کیا بینک سے ملنے والا منافع ربوا ہے؟" کے عنوان سے افتخار حسین صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔ محترم مضمون نگار نے موجودہ بینکوں سے لیے اور دیے جانے والے سود کو حلال ثابت کرنے کے لیے جو ذاتی رائے قائم کی، وہ چونکہ قرآن وسنت کے قطعی نصوص اور عالم اسلام کے تمام مستند علماء اور ماہرین معاشیات کے واضح اجتماعی موقوف سے صریحا متصادم ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ موصوف کی تحریر کے حوالے سے ایک مختصر نوٹ نذر قارئین کیا جائے۔

اپنے مضمون کی ابتدا ہی میں مضمون نگار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ان کو ربوا کے مسئلہ میں کچھ دشواری پیش آئی تھی۔ بظاہر اس سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ ربوا کی حقیقت اسلامی شریعت میں العیاذ باللہ واضح نہیں ہے اور ربوا کے بارے میں رائے زنی کی گنجائش موجود ہے حالانکہ حضرت فاروق اعظم نے صرف یہ تمنا ظاہر فرمائی تھی کہ کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربوا کے بعض ابواب واقسام کی مزید تشریح ہم سے بیان فرما دیتے۔ حضرت فاروق اعظم کے اس جملہ سے ربوا کی اس خاص قسم کی تشریحات مراد ہیں جو اس سے پہلے عرب میں ربوا نہیں سمجھی جاتی تھیں اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی کے تحت ربوا قرار دیا تھا۔ ربوا کی اس قسم کو "ربوا الفضل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور چونکہ قرآن کریم کی آیات میں وضاحت کے ساتھ اس خاص قسم کی تشریح نہیں کی گئی، بلکہ احادیث میں اس قسم خاص کا ذکر آیا ہے اس لیے اسے تفصیلات کے تعین میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اشکال پیش آیا تھا، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کے ایک خطبہ کے اعلان سے بھی ظاہر ہے۔ اور نزول قرآن کے وقت اہل عرب کے عرف میں لین دین کی جس شکل کو ربوا سمجھا جاتا تھا، وہ اصطلاحی الفاظ میں "ربوا النسیئہ" ہے (نسیئہ کا لفظ نون، سین، یاء ہمزہ اور ہاء سے مرکب ہے، حالیہ اخباری رپورٹوں میں اس لفظ کو نون، صاد، یاء، حاء اور ہاء سے "ربوا النصیحہ" لکھا جا رہا ہے۔ یہ فاش غلطی ہے، اخباری رپورٹروں کو اس کی اصلاح کر لینی چاہیے) اور علم فقہ سے ادنی مناسبت رکھنے والے افراد کو معلوم ہے کہ موجودہ بینکوں سے لیا دیا جانے والا سود ربوا النسیئہ ہے، جس کو براہ راست قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے اور جو نزول قرآن کے وقت عرب میں بھی ربوا سمجھا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت کسی بھی صحابی، تابعی، تبع تابع یا امام دین کو اس کی حقیقت سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی، اس لیے موجودہ بینکوں کے سود کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، لہٰذا موجودہ بینکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے صاحب مضمون کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ اور ربوا الفضل کے بارے میں حضرت عمر کے مذکورہ قول کی پشت پر ان کا بے مثال تقویٰ اور کمال احتیاط کا جذبہ کار فرما تھا، نہ کہ ربوا کی کسی صورت کی حرمت کے بارے میں انہیں کوئی شبہ تھا، چنانچہ اسی موقع پر حضرت عمر کا یہ قول بھی مروی ہے کہ "لہٰذا ربوا (سود) کو بھی چھوڑو اور جس چیز میں ربوا کا شبہ بھی ہو جائے اس سے بھی اجتناب کرو" لیکن مقام حیرت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اپنے ذہن میں پیدا شدہ اشکال کا یہ نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کہ تمام مشتبہ چیزوں کے بارے میں بھی احتیاط برتنی چاہیے جبکہ ان کے قول سے استدلال کرنے والے سود کی مروجہ صورتوں کو مشتبہ بنا کر انہیں جائز قرار دینے کی سعی لاحاصل میں مشغول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اس سے متعلقہ شبہات پر تشفی بخش گفتگو ماضی قریب کے جلیل القدر عالم دین اور نابغہ روزگار فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی محققانہ تالیف "مسئلہ سود" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مضمون نگار نے سود سے متعلق قرآن کریم کی بعض آیات کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد اپنی عقلی سوچ سے کچھ نتائج ایجاد کیے اور بزعم خود موجودہ سود کے جواز پر کچھ دلائل سامنے لائے، حالانکہ جن بنیادوں پر صاحب مضمون کے دلائل کی پوری عمارت کھڑی نظر آتی ہے، ان کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ظاہری نگاہ سے خوشنما نظر آنے والی اس عمارت کی بنیادیں کتنی کھوکھلی اور دیمک زدہ ہیں۔ مضمون نگار نے ربوا کی صرف اس خاص شکل کو قرآن کریم کا مصداق قرار دیا جسے نزول قرآن کے وقت عرب میں ربوا سمجھا جاتا تھا۔ صاحب مضمون کے الفاظ یہ ہیں، "ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا مالی لین دین جس سے قرض کی رقم دگنی ہو جائے اور جو دوسروں پر ظلم اور استحصال کے ذریعے حاصل کی گئی ہو، ربوا کے ذیل میں آتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرض یا ڈپازٹ کی رقم پر ایسا اضافہ جس سے رقم دگنی یا کئی گنا نہ ہو اور استحصال پر مبنی نہ ہو ربوا نہیں سمجھا جائے گا" حالانکہ اسلام جب کسی چیز کو

حرام یا حلال قرار دیتا ہے' تو اس کے سامنے ایک حقیقت ہوتی ہے' اسی حقیقت پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے' صرف شکل کے بدلنے سے حکم میں فرق نہیں آتا۔ مثال کے طور پر قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے' اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن کریم نے شراب کی ان شکلوں کو حرام قرار دیا ہے جو زمانہ نبوت میں رائج تھیں اور آج کل کی وہسکی (WHISKY) بیئر (BEER) اور برانڈی (BRANDY) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں پائی جاتی تھیں' اور ان کے بنانے کے طریقے بھی زمانہ نبوت کی شرابوں سے بہت مختلف ہیں' لہٰذا انہیں حرام قرار نہیں دینا چاہیے' تو یہ بات انتہائی غلط ہوگی' کیونکہ کسی چیز کے حرام ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پائی جائے' بلکہ قرآن جس حقیقت کو سامنے رکھ کر کسی چیز پر حرمت کا حکم لگاتا ہے' اگر وہ حقیقت کسی چیز میں موجود ہو تو چیز کسی بھی زمانے میں کہیں بھی اور کسی صورت میں پائی جائے' حرام ہوگی' اس لیے آج کے دور میں اگرچہ شراب کی شکلیں زمانہ نبوت سے مختلف ہو گئیں اور شراب کے بنانے کے طریقے بھی بدل گئے' مگر چونکہ شراب کی حقیقت نہیں بدلی' اس لیے حکم بھی نہیں بدلے گا۔ اسی طریقے سے "سود" کی حرمت کا اعلان قرآن کریم نے ایک حقیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا' اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ اضافہ جو اصل رقم پر اس کے انتظار اور استعمال کے معاوضہ میں مشروط طور پر دیا جائے' وہ ربوا اور سود ہے' اب اگر اصل سرمایہ پر زائد رقم مدت کے مقابلے میں شرائط اور تعین کے ساتھ لی جا رہی ہے تو چاہے وہ اضافہ بہت کم ہو چاہے بہت زیادہ' بہرصورت وہ سود ہے' قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اس کو ربوا (سود) ہی کہتے ہیں۔ تمام مفسرین اور فقہاء کے نزدیک یہ سود ہی کی تعریف ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر طبری' تفسیر مظہری' تفسیر قرطبی' تفسیر کبیر (امام رازی) اور احکام القرآن (لابن العربی المالکی وابوبکر جصاص حنفی) کے مدلل اور ٹھوس حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ لغت عرب کی نہایت مستند کتاب لسان العرب اور لغت حدیث کی مسلم شرح نہایہ (ابن اثیر) میں اسی کو ربوا قرار دیا گیا ہے اور اہل عرب کے عرف میں یہی چیز ربوا سمجھی جاتی تھی اور اسی حقیقت پر قرآن کریم نے حرمت کا حکم نازل فرمایا' لہٰذا مضمون نگار کا یہ قید لگانا کہ "قرضوں پر جو اضافہ دگنا یا کئی گنا نہ ہو اور استحصال پر مبنی ہو' وہ ربوا نہیں سمجھا جائے گا' بالکل غلط ہے' کیونکہ سود کی تعریف میں زیادہ اور بہت زیادہ کی کوئی تفریق قرآن و حدیث اور عرف کسی سے سمجھ میں نہیں آتی' اور نہ یہ تفریق کسی اور شرعی دلیل سے ثابت ہے۔

مضمون نگار نے سورہ آل عمران کی جو آیت اپنے موقف کی تائید میں پیش کی' (یعنی "اے ایمان والو! سود مت کھاؤ دگنے پر دگنا)" اس میں سود کی بنیادی کیفیت اور ایک خاص صورت کا بیان مقصود ہے' جو زمانہ جاہلیت میں بکثرت رائج تھی' لہٰذا "دگنے پر دگنا" کا لفظ حرمت سود کی قانونی شرط نہیں ہے' بلکہ اس جرم کی صرف ایک قبیح ترین صورت پر تنبیہ ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے "میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت نہ کرو" (بقرہ) ظاہر ہے کہ یہاں "تھوڑی سی قیمت" ممانعت کی قانونی شرط نہیں ہے چنانچہ کوئی صاحب عقل آدمی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آیات الٰہی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے' اس کے بجائے یہ الفاظ محض جرم کی شناعت کو اضح کرنے کے لیے لائے گئے ہیں۔ بعینہٖ یہ معاملہ "دگنے پر دگنا" کا ہے کہ جرم کی شناعت بیان کرنے کے لیے ایک خاص صورت ذکر کر دی گئی ہے۔ ورنہ اگر یہ قانونی شرط ہوتی' تو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸ میں یہ نہ کہا جاتا کہ "ربوا کی جو کچھ مقدار رہ گئی ہے' اسے چھوڑ دو' اگر تم مومن ہو۔" اور آیت نمبر ۲۷۹ میں یہ نہ کہا جاتا کہ "ربوا" سے توبہ کی صورت میں صرف اصل قرضوں کی رقم (راس المال) قرض خواہ کو ملے گی اور ساری رقم اسے چھوڑنی ہوگی۔ اسی طرح خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے "سنو' ہر وہ ربا جو ایام جاہلیت میں واجب تھا' تم سے پورے کا پورا ختم کر دیا گیا' اور تمہارے لیے صرف قرض کی اصل رقم ہے' نہ تم ظلم کرو' اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اور سب سے پہلے جو ربوا ختم کیا جاتا ہے' وہ عباس بن عبد المطلب کا ربوا ہے۔ پورے کا پورا" (تفسیر ابن کثیر' ۱/۳۳۱)

اس حدیث سے بالکل واضح یہ ہے کہ قرض کی اصل رقم سے زائد ہر سود' اسلام میں ختم کر دیا گیا ہے' چاہے وہ سود کم ہو یا زیادہ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جو حضرات سود میں "زیادہ" اور "بہت زیادہ" کی تفصیل بیان فرماتے ہیں' وہ بھی اس کا کوئی معیار نہیں بتاتے کہ کتنا اضافہ سود میں داخل ہے اور کتنا اضافہ "سود" میں داخل نہیں۔ دنیا میں آج بیک وقت سود کی مختلف شرحیں رائج ہیں' یہ تقابل ہی صاف بتلاتا ہے کہ سود میں "زیادہ" اور بہت "زیادہ" کا فرق روا رکھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی معیار نہیں ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سود جس قدر نامعقول چیز ہے' اس کی شرح بھی اتنے ہی نامعقول اسباب سے متعین ہوتی اور بڑھتی ہے اور ان اسباب کا اثر بد' پورے معاشرے میں خود غرضی اور مفاد پرستی کے قابل مذمت جذبوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ شرح سود کے وجود واسباب جناب ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب "سود" میں نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

مضمون نگار کے مطابق بینک انٹرسٹ کے نظام میں چونکہ ظلم واستحصال موجود ہی نہیں اور تاجر و صنعت کار بزنس کے لیے رقم برضا ورغبت لگانے کے لیے تیار ہوتے ہیں' ان میں کسی فریق پر دباؤ یا جبر نہیں ہوتا' اس لیے یہ ربوا نہیں بلکہ تجارت ہے۔ اپنے مدعا کو درست ثابت کرنے کے لیے انہوں نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۹ کے ایک حصہ کا

ترجمہ نقل فرمایا کہ "لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضا مندی سے" اس سے یہ ثابت کیا گیا کہ چونکہ بینک انٹرسٹ میں باہمی رضامندی پائی جاتی ہے اس لیے یہ تجارت ہے' ربوا نہیں۔

مضمون نگار کے انداز تحریر سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے لیے' اللہ پناہ میں رکھے' صرف باہمی رضا مندی کافی ہے' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فریقین اگر زنا کے لیے رضامند ہو جائیں تو کیا زنا جیسی حیا سوز اور گھناونی حرکتوں کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ خود احادیث طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کی ایسی بہت سے صورتوں کو حرام قرار دیا ہے جن میں فریقین کی رضامندی بھی پائی جاتی ہے۔ صاحب مضمون اگر پوری آیت کا ترجمہ نقل فرماتے تو ان کے دعوے کی تائید کے بجائے تردید سامنے آتی کیونکہ اسی آیت میں لین دین کے جائز ہونے کے لیے دو شرطیں لازمی قرار دی گئی ہیں۔ فرمایا: "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مالک ناحق طریقے سے نہ کھاؤ' الا یہ کہ وہ تجارت ہو اور آپس کی رضامندی سے ہو" کسی لین دین کے جائز ہونے کے لیے ایک تو یہ ضروری ہے کہ وہ معاملہ تجارت ہو' دوسرے یہ کہ باہمی رضامندی کے ساتھ ہو۔ سود میں اگر بالفرض باہمی رضامندی پائی بھی جائے' لیکن چونکہ وہ شریعت کی رو سے تجارت نہیں ہے کیونکہ ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ کرنے کا نام تجارت ہے' اگر میں سے کسی ایک جانب مال ہو اور اس کے بالمقابل مال ہی نہ ہو تو وہ تجارت نہیں بلکہ فریب ہے' سود کے معاملات کا یہی حال ہے کہ سود کی رقم ادھار کی میعاد کا معاوضہ ہوتا ہے اور یہ میعاد کوئی مال نہیں اس لیے حقیقت کے اعتبار سے یہ تجارت ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس میں ذکر کردہ دونوں شرطوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ خرید وفروخت اور تجارت کی صرف وہی صورتیں شرعاً جائز ہیں جن کا جواز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے اور حضرات فقہائے کرام نے جن کو منضبط کر دیا ہے۔ (ماخذ تفسیر معارف القرآن جلد دوم)

جناب افتخار کے بقول موجودہ بینکوں کے سود میں ظلم کا عنصر نہیں ہے جبکہ قرآن کریم کا صریح ارشاد ہے کہ ربوا سے توبہ کرنے کی صورت میں صرف اصل رقم ملے گی اور اسی مقام پر قرآن نے لا تظلمون ولا تظلمون کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل رقم پر ہر اضافہ خواہ وہ اضافہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو' قرآن کی نظر میں ظلم ہے اور یہ بات بھی ناواقفیت پر مبنی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں تجارتی مقصد کے لیے قرضے نہیں لیے جاتے تھے۔ جاہلیت اور اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے متعدد ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں صرف ذاتی اور شخصی ضرورتوں پر قرضہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ نفع بخش کاروباری مقصد حاصل کرنے کے لیے بھی قرضوں کا لین دین رائج تھا (ماخذ "تجارتی سود' عقل اور شرح کی روشنی میں" مولف جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی)

قرآن کریم نے جب ہر قسم کے ربوا کو ظلم قرار دے دیا' تو کسی مسلمان کو ربوا کے ظلم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ عقلی طور پر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ موجودہ سود کے ذریعے تو بظاہر ظلم کے بجائے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے' لیکن ذرا گہرائی میں جا کر اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ شخصی سود میں اگرچہ ایک غریب پر ظلم ہوتا ہے اور تجارتی سود سے چند افراد کا وقتی اور ہنگامی فائدہ سامنے آتا ہے مگر پوری قوم وملت کو تجارتی سود کا ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ دولت سمٹ سمٹ کر چند ہاتھوں میں مستقل ہو جاتی ہے اور اس طرح تجارتی سود ایک کے بجائے پوری خلق خدا پر ظلم کا باعث بنتا ہے۔ آج سودی نظام کی وجہ سے پوری دنیا کے غریب انسان چند مخصوص گروہوں کی اجارہ داری کے ظالمانہ شکنجے میں جس طرح کسے جا رہے ہیں' اس سے اسلام کی حقانیت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اس نے سود کے معاملے میں محض دو افراد کی رضامندی کو حق کا معیار ہی قرار نہیں دیا' بلکہ پورے معاشرے پر سود کے منفی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔ سوشلزم کے ظلم و ستم اور سرمایہ داری نظام کی چیرہ دستیوں کے مقابلے میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے ایک طرف دولت کی منصفانہ تقسیم کا بہترین فارمولا پیش کیا' تجارت کے مختلف حلال اور جائز طریقے مقرر کیے اور سود' سٹہ بازی' قمار' رشوت اور ذخیرہ اندوزی جیسے انسانیت سوز ظالمانہ ذرائع سے دولت کمانے کی سخت ممانعت کی جو ارتکاز دولت کا سبب بنتے ہیں اور جن کی وجہ سے غریب روز بروز غریب تر اور امیر دن بدن امیر تر ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف دولت کی فطری گردش کو برقرار رکھنے اور مفلوک الحال لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کو پورے معاشرے کا عمومی مزاج بنانے کے لیے اسلام نے زکوٰۃ کا نظام مقرر فرمایا' صدقات کی ترغیب دی اور وہ اخلاقی پابندیاں عائد کیں جو بیک وقت اشتراکیت کے غیر فطری اور ظالمانہ نظام سے نجات کا ذریعہ بھی ہیں اور کیپٹلزم کی ناہمواریوں کا تیر بہدف علاج بھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فقہی بصیرت کے حامل علمائے کرام اور اسلامی معاشیات کے عالمی دماغ ماہرین کی مشترکہ کاوشوں سے سود کے متبادل اسلامی طریقے وضع کیے جا چکے ہیں' اور یہ طریقے نہ صرف یہ کہ قابل عمل ہیں' بلکہ موجودہ معاشی ناہمواریوں کا ان کا علاوہ کوئی علاج نہیں ہے' البتہ سودی نظام کا عذاب چونکہ مدتوں سے ہم پر مسلط ہے اور کوئی بھی نیا نظام پہلی بار نافذ کرنے میں مشکلات پیش آیا ہی کرتی ہیں' اس لیے سود کے متبادل طریقوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ذہنوں میں کچھ سوالات بھی ابھر رہے ہیں' لیکن ایسے حالات میں مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے' اصل تصور کو پس پشت نہیں ڈالا جاتا۔ مضاربہ اور مشارکہ کا جائز طریقہ نافذ کرنے کے لیے اگر حکومتی سطح پر پورے بینکنگ کے نظام کو بدل دیا جائے تو حسابات کی

(بقیہ ص پر)